© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۱)

وہ شمعِ فروزاں جس نے مسلسل ۲۶ سال تک ترجمان القرآن کی محفلِ اشارات کو روشن رکھا، سال ڈیڑھ سال ٹمٹانے کے بعد آخر گُل ہوگئی۔

ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام!

گوجرانوالہ سے ۴، ۵ میل شمال کی جانب بستی فیروز والہ میں، ۱۸ اپریل کو ساڑھے چار بجے شام نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی سات صفوں کے سامنے اس شخص کی میت رکھی تھی جسے پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے علم وایمان کا یہ آفتاب قبر کی گہرائی میں غروب ہوگیا۔ اب وہاں صرف مٹی کی ایک ڈھیری یہ بتانے کے لیے موجود ہے کہ یہاں محوِ خواب ہے وہ شخص جس نے کتنی ہی خوابیدہ روحوں کو جگایا ہوگا۔

ڈیڑھ سال قبل فالج کا حملہ ہوا تھا، لیکن ایک مخلص معالج کے علاج کی مدد سے اس اعصابی مرض کے شکنجے سے اُن کے اعصاب آہستہ آہستہ رہائی پاتے چلے گئے اور ایک بار پھر وہ پبلک لائبریری میں کئی برس سے اپنی مخصوص شدہ نشست پر بیٹھ کر ترجمان القرآن کی ادارت اور قرآن وحدیث کے انگریزی تراجم کا کام کرنے میں محو ہوگئے۔ مگر گذشتہ عید الاضحیٰ کے قریب اُن پر مرض کا پھر حملہ ہوا۔ دل کا دَورہ ہو یا فالج کا حملہ، ان جانکاہ بیماریوں کا دوسرا حملہ خطرناک ہوتا ہے۔ کم ہی لوگ بچ نکلتے ہیں۔ اسی حملے کا مقابلہ ادویہ اور نفسیاتی تدبیروں سے کیا جاتا رہا اور آنے والا حادثہ ٹلتا رہا۔ گویا موت تقدیر کی کمین گاہ میں ایک طرف بیٹھی مریض اور معالج کی واماندگیٔ تدبیر کا تماشا کرتی رہی۔ آخر وہ بامرِ الٰہی ۱۸ اپریل کی صبح کو تین بجے کے قریب آئی اور چار بجے جھپٹی۔ آخری سانس نکلی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُدھر موذن کی پکار سنائی دی ـــ اللہ اکبر، اللہ اکبر!

اور عبدالحمید صدیقی کی شخصیت در روح اُس دن دارالبقاء کو جانے والے قافلے کی صفِ اوّل میں شامل ہو کر خطِ افق کے اس پار چلی گئی۔ اعزہ و احباب روتے چلاتے رہ گئے اور مرحوم کی بیوہ اور بچیاں مژگانِ حیات کے آنسو بن کر رہ گئیں۔

میرے ذہن میں یکایک قرآن کی وہ دردناک مگر بشارت سے لبریز آیت گونجنے لگی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب رضؓ بن عمیر جیسے نفاست پسند نوجوان کی نعشِ مبارک کو خاک و خون میں پڑے دیکھ کر پڑھا تھا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب ۲۳)

ترجمہ:۔ ایمان والوں میں ایسے مردانِ کار شامل ہیں جنھوں نے اللہ سے باندھے ہوئے پیمان کو سچ کر دکھایا۔ پس اُن میں سے کوئی وہ ہے جس نے اپنی ذمہ داری کا (آخری سانس تک) حق ادا کر دیا۔ اور کوئی وہ ہے جو (ادائے فرض کے لمحۂ تکمیل کا) انتظار کر رہا ہے۔

ایفائے عہد تو جیتے جی حضورؐ پر ایمان لانے والے سارے ہی خوش نصیب مسلمان کر رہے تھے، مگر حق تو ادا جبھی ہو سکتا ہے کہ آدمی آخری لمحے تک ایمان کے تقاضوں کو پورا کر دکھائے۔ درمیان میں قدم قدم پہ صدہا رہزن، ہزار ہا جذبے اور کیدِ شیطانی کے صد ہزار پھندے حائل ہیں جن کی وجہ سے کتنے ہی علم و تقویٰ کے خزانہ بردار ایک ذرا سے ہیر پھیر میں پڑ کر عمر بھر کی کمائی گنوا بیٹھتے ہیں۔ کردار کی اونچی چوٹیوں تک ہانپ ہانپ کر برسوں کی محنت سے پہنچنے والے لوگ دل کے کسی کھوٹ، نگاہ کی کسی خیانت، کمائی میں حرام کی آمیزش، ذہن میں کبر و کینہ کی کسی لہر اور معاملات میں ظلم کے کسی اقدام کی وجہ سے پل میں نیچے پٹخ دیے جاتے ہیں، بلکہ بعض سے تو سطحِ زمین پر ٹکنے کا اعزاز بھی چھن جاتا ہے۔ اور وہ سیدھے اسفل السافلین میں پہنچ جاتے ہیں۔ اللّٰھم احفظنا جمیعًا۔

ہمارے بھائی عبدالحمید صدیقی خدا سے باندھے ہوئے پیمانِ وفا کو تادمِ آخر نبھا گئے، اور انھوں نے تقاضائے ایمان سے ذرا انحراف نہیں کیا۔ (وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا۔ الاحزاب ۲۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدیقی صاحب اور ہم سب کے گرد جو دُنیا پائی جاتی ہے وہ ہمیشہ ایمان و مفاد کا میدانِ کشمکش رہی ہے لیکن جب سے اس پر مادہ پرستانہ تہذیب کا غلبہ ہوا ہے، لوگوں کے سینوں میں گویا صنمِ دولت کے مندر تعمیر ہو گئے ہیں۔ انبوہ کے انبوہ روپے کی تسبیح پڑھتے ہوئے معیارِ زندگی بڑھانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے اپنی قوت صرف کر رہے ہیں۔ بادۂ نفسانیت کا نشہ چڑھا ہوا ہے۔ ترقی نام کی ساحرہ کندھوں پر سوار ہے۔ پیچھے سے ادنیٰ خواہشات غیر مرئی نیزوں کی انیاں چبھو چبھو کر رفتار بڑھانے پر مجبور کرتی ہیں، سامنے اسبابِ آرائش و آسائش کی ایک جنت دکھائی دیتی ہے۔ اس دوڑ میں عقیدے پامال ہو رہے ہیں۔ اخلاقی حدود اور قانون کے جنگلے ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں۔ اصول، روایات اور اقدار کے ٹکڑے الگ الگ ہو کر گر رہے ہیں، حلال کی کٹھن راہوں کو چھوڑ کر حرام کی آسان پگ ڈنڈیوں کو اختیار کیا جا رہا ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں یہ ماحول جو معمولی سے معمولی درجے کے ایمان اور مسلکِ شرافت کے لیے سخت ناسازگار ہو گیا ہے، اس میں دوہری تہری آزمائش ہے اس قافلہ بلاکشاں کے لیے جو معاشرے کا پورا نقشہ تبدیل کرنا چاہتا ہو۔ ------- تمام الحاد پسند، تمام مغرب پرست، تمام اشتراکیت زدہ، تمام انحراف پسند اور تمام بڑے بڑے مفاد پرست عناصر، تبدیلی چاہنے والے علمبردارانِ اسلام کے خلاف علمی، صحافتی، سیاسی اور ادبی محاذوں سے برسرِ جنگ ہیں۔ اور وہ تمام اداروں اور ذرائع و وسائل کے دروازے ان پر بند کیے ہوتے ہیں جن پر اُن کی اجارہ داری قائم ہے اور اگر کوئی پہلے سے اندر آگیا ہو تو یہ عناصر اسے دھکیل باہر کرتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر عبدالحمید صدیقی کو معاشرے نے قلیل سے معاوضے کی جو پروفیسری دے رکھی تھی وہ بھی اس بنیاد پر واپس لے لی کہ ع

اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

یہی دوہری تہری آزمائش پروفیسر عبدالحمید صدیقی کو درپیش تھی۔ ہمارا یہ مخلص رفیق نہایت غریبانہ حالات کے ساتھ اُٹھتا ہے اور زندگی کی ابتدائی منزلِ شعور ہی میں اپنا رشتہ تحریکِ اسلامی کے قافلۂ بلاکشاں سے استوار کر لیتا ہے۔ نہایت درجہ مشکل مالی حالات میں وہ باطل نظریات کے خلاف صبر و ثبات سے معرکہ آرا رہتا ہے۔ اس پورے معرکے میں نہ کبھی اس کی نگاہ دولت کے شعبدوں پر جاتی ہے، نہ اربابِ جاہ کے ایوانوں میں سائل بن کر داخل ہوتا ہے، نہ اُس کے قدموں کو یہ احساس حرکت سے روکتا ہے کہ اپنی ذات کے علاوہ بیوی اور بچیوں کی ذمہ داری بھی اس کے سر ہے۔ اگر زندگی کے تقاضے زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں تو وہ اپنی دماغی مزدوری کی مقدار بڑھا دیتا ہے۔ دنیا کے دوسرے معاشروں میں دماغی محنت خاصے ثمرات دیتی ہے، لیکن یہاں تو اگر کوئی شخص سال بھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک اچھی کتاب لکھے تو اُس کی خوش قسمتی ہو گی، اگر بیس سال میں اُسے اپنے ایک سالِ محنت کے مصارف مل جائیں۔

ایک شخص جس نے غریبانہ حالات کے باوجود، اپنے ایمانی معرکے کو شروع سے آخر تک یوں احوال جاری رکھا کہ معیاری محنت کر کے جائز راستوں سے بمشکل اسے گذر بسر کے لیے روزی حاصل ہو سکی، اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے خدا سے باندھا ہوا پیمانِ وفا پورا کر دکھایا۔

پروفیسر صدیقی علی الصباح گوجرانوالہ سے بابو ٹرین (ملازمین اور مزدوروں کو لاہور لانے والی گاڑی کا عوامی نام) میں ہر روز لاہور آتے[1]، اسٹیشن سے پبلک لائبریری پہنچتے اور دن بھر کام کرتے۔ ملاقات کرنے والے رفیقوں اور عہدوں پر فائز پرانے شاگردوں، اور اپنے قدردان دوستوں اور ناشرین کو وقت اور توجہ سے حصہ دیتے، پھر بھی وہ بہت کچھ پڑھ بھی لیتے اور لکھ بھی لیتے۔ آخری چند سالوں میں تو جبکہ مضمحل صحت کی وجہ سے ہفتے میں دو چار دن وہ لاہور ہی میں اپنے ایک عزیز کے ہاں ٹھہر جاتے تھے۔ وہ بیک وقت کئی بھاری بھرکم کام کر رہے تھے۔ میں اُن کے متعلق وہی بات کہوں گا جو کسی موقع پر اپنے متعلق کہی تھی کہ "میرا دماغ میرے جسم کو کھا رہا ہے"۔ بالکل اسی طرح برادرم حمید صدیقی کے حساس اور تخلیقی دماغ نے ان کی جسمانی قوتوں کو نچوڑ لیا تھا۔ آخر مادہ کے بنے ہوئے دماغی خلیات ان کی کاوشوں اور نگارشوں، ان کے ذاتی مسائل اور ملک میں تیس سال تک اسلام اور جمہوریت اور شرافت اور امن اور انسانی حقوق کے خلاف اُٹھنے والے نت نئے طوفانوں کے کرب کا سہ گونہ بوجھ کہاں تک برداشت کرتے۔

انجام کار یہ لمحہ آ گیا کہ علم کے پھول اور حکمت کے موتی جس دماغ سے فضاؤں میں بکھر رہے تھے، اس کی مشین چلتے چلتے یکسر جام ہو گئی۔

پروفیسر عبدالحمید مرحوم نے ایک بڑی قربانی دے کر وہ خدمات انجام دیں جن سے نہ صرف آج ہم استفادہ کر رہے ہیں، بلکہ آئندہ نسلوں کے لاکھوں افراد کو اُن سے حصہ ملے گا۔

---

[1] ایک روایت کے مطابق خود ان کا کہنا تھا کہ تاروں کی چھاؤں میں گھر سے نکلتا ہوں اور تاروں کی چھاؤں میں گھر پہنچتا ہوں۔ بچے اُس وقت بھی سو رہے ہوتے ہیں، اور اِس وقت بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی اکھاڑے میں اُترنے کی ضرورت و اہمیت اپنی جگہ، مگر اس میں کشش (CHARM) بھی زیادہ ہے۔ آدمی کتنا بھی بے لوث ہو، اس کا ذہن اس دائرے میں آنے کے بعد اس کی جاذبیتوں کے اثر سے بچا نہیں رہ سکتا۔ آدمی کا اسٹیج پر آکر بسا اوقات ہزارہا افراد کے مجموعوں کو مخاطب کرنا، اُن کے ذہنوں میں نفوذ پا جانا، اُن کے دلوں میں گھر کر لینا، اُن کو کمانڈ کرنا، تقریروں اور بیانوں کا اخبارات میں چھپنا اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کی لہروں کے ذریعے دُور دُور تک منتقل ہونا، کیمروں کے شیشوں کا عشاق کی بے تاب آنکھوں کی طرح ہر طرف سے گھیر لینا، خواص و عوام کے وفود کا ملنا، انٹرویو لیے جانا، اہم شخصیتوں سے روابط، خود اپنے حلقۂ رفقاء میں اس کام کی قدر و قیمت کا اول درجے پر ہونا، اور خیراندیشوں کی طرف سے پروجیکٹ کرنے کی مہم، دعوتیں اور ضیافتیں اور استقبالیے، یہ سارا کچھ کتنا دلچسپ ہوتا ہے۔ برادرم پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم جب پروفیسری کر رہے تھے تو میں سیاسی اکھاڑے میں تھا۔ (۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۲ء) اور خدا کے فضل سے کسی لحاظ سے کچھ کم نہ تھا۔ بلکہ اُس وقت کی مخالف فضا اور مشکل حالات میں شاید میرے حصّے کا فریضہ زیادہ ہی سخت تھا۔ بعونہٖ تعالیٰ بخوبی عہدہ برآ ہوا۔ میں اس کم گو اور انکسار پسند آدمی کو دیکھتا تھا تو جی چاہتا تھا کہ یہ صاحبِ مطالعہ و کاوش رفیق فکری سرد جنگ میں ہمہ تن لگ جانے کے بجائے سیاسی گرم جنگ میں بھی حصّہ دار بنے اور خود میرے لیے ذاتی طور پر ایک اچھا ساتھی ہو، مگر عبدالحمید صدیقی مرحوم اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہے۔ میرے سامنے کتنے ہی اعلیٰ درجے کی صلاحیتیں رکھنے والے ادیبوں نے اپنی برسوں میں بنی ہوئی ادبی شخصیتوں کی قبائیں اُتاریں اور انتظامی عہدے سنبھال لیے۔ کیونکہ اپنے دائرے میں سیاست کاری، تقریر و خطابت اور انتظامی عہدہ داری کے مقابلے میں ادب تو تھا ہی خس و خاشاک کی طرح، اچھے خاصے علمی کام کرنے والوں کو بھی ویسی اہمیت نہ حاصل ہو سکی۔ ایسی فضا میں پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کا اس عزم پر جم جانا کہ وہ براہ راست سیاسی لڑائی لڑنے والوں سے الگ دُور بیٹھ کر حکمت، افکار و تصورات اور دلائل و براہین کے اسلحہ تیار کریں گے، بہت بڑی بات ہے۔ ظاہری داد و ستد تو سیاسی محاذ کے جرنیلوں کو ملتی ہے، سارے خطابات اور تمغے ان کے لیے ہوتے ہیں۔ دُور کسی تہ خانے میں بیٹھ کر گولہ بارود تیار کرنے والے کو بہت دیر تک اعلیٰ درجے کا کام کرنے کے بعد بس دھیمی قسم کا ایک احترام حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے سمجھتے ہوئے (اور شاید ایک آدھ بار میرے ترغیب دلانے کے باوجود) انہوں نے گوشۂ تنہائی میں کیے جانے والے اپنے خاموش کام کو نہ چھوڑا۔ یہ ایک طرح کی قربانی ہے اور بہت بڑی قربانی ہے، اور اسی کا ماحصل یہ ہے کہ آج ہمارے پاس مرحوم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلم سے رقم شدہ متعدد کتابیں سیرت، تاریخ اسلام، فلسفہ تاریخ، تعلیم اور مغربی تہذیب و ثقافت کے موضوعات پر انگریزی اور اردو میں موجود ہیں۔ ریاض الصالحین اور مشکوٰۃ اور مسلم شریف کے تراجم انگریزی میں کیے۔ انگریزی زبان میں انہوں نے قرآن کا ترجمہ مع تفسیری حواشی کے تیار کرنا شروع کیا اور غالباً بارہ پاروں تک کا کام ہو چکا تھا۔ (جن میں سے ۸ پارے شائع ہو چکے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ارضی زندگی کے دورِ امتحان کو ختم کر دیا۔ علاوہ ازیں بہت سے مضامین کا انگریزی زبان سے ترجمہ کیا۔ بے شمار کتابوں پر تبصرے لکھے، ترجمان القرآن کے سیکڑوں اشارات خوبصورت علمی انداز میں لکھتے ہوئے دینی حقائق کی روشنی میں سیاسی احوال کا ناقدانہ تجزیہ کیا۔ یہ ایک مستقل مدرسہ تھا جس کے تحت ہر ماہ ہزاروں قارئین کی ذہنی تربیت ہوتی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر پروفیسر عبدالحمید صدیقی پارلیمانی ممبر ہوتے بلکہ وزیر بن جاتے تو دینی علم اور فکرِ صالح کا یہ سدا بہار گلشن آراستہ نہ ہو سکتا۔ یہ تو صدقہ جاریہ ہے۔ ایک چشمہ ہے جو ہمیشہ بہتا رہے گا۔ اور کھیتیاں اس سے سیراب ہوں گی۔ سیاست و صحافت میں معرکے انجام دینے والوں کو (اور انہوں نے بھی راہ حق کے لیے جو کام کیے اس کی بھاری جزا اُن کو ملے گی) اگر کبھی لوگ فراموش بھی کر دیں تو رفیق محترم عبدالحمید صدیقی اپنی کتابوں کے پیکر میں تا دیر لوگوں کے سامنے رہیں گے۔

غلبۂ حق کے لیے ان کی دماغی کاوشوں کو خداوندِ کریم قبول فرمائے اور اُن کی لکھی ہوئی ایک ایک سطر میں غیر معمولی اثر بھر دے۔

میرے سامنے بہت سے احباب نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اُن کی علمی خدمات کا ذکر کیا۔ مگر میری نگاہ میں ان خدمات سے بڑھ کر ایک چیز اور ہے جو مرحوم کی پیشانی کو آخرت میں نور پالش بنا دے گی۔

وہ تحریکِ اسلامی کے اخلاقی تقاضوں کے مطابق انسانیت کا پرکشش نمونہ تھے۔ میں خاص طور پر اس پہلو کا ذکر اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کہیں ہنگامہ ہائے نو بہ نو سے گذرتے ہوئے اس سے غافل نہ ہو جائیں۔ میرے نزدیک اسلامی شعور کے تحت کسی شخص میں سب سے پہلے دیکھنے اور اس کی قدر و قیمت مقرر کرنے کے لیے یہی پہلو ہے کہ اس نے رفیقوں اور رقیبوں کے ساتھ مختلف معاملات نبھاتے ہوئے پیچ در پیچ رابطوں کے جنگل کو کس طرح عبور کیا۔

تحریکِ اسلامی کا اگر کوئی تصوف ہو سکتا ہے تو مرحوم اس کا بہترین نمونہ تھے۔ احباب کے لیے محبت کیش، اغیار کے لیے بے ضرر، فساد و عناد کے چکروں سے مجتنب، رشک و حسد اور کینہ و کدر سے محفوظ، (باقی بر صفحہ ۴۳)

© rasailojaraid.com